نظریہ ولایت فقیہ کا تاریخی پس منظر

سید علی جواد ھمدانی*

کلیدی کلمات : ولایت، فقیہ، مطلقہ ، افلاطون ،ارسطو، خمینی ، مکتب ، خلفا ،اہل بیت۔

خلاصہ :

امام مہدیؑ کی غیبت کبریٰ (۳۲۹ھ) کے ساتھ ہی فقہاکے لئے شرعی احکام کی وضاحت کی سنگین ذمہ داری شروع ہو جاتی ہے۔ شیخ طوسی، شیخ مفید، حلی، شہیدین، محقق، صاحبِ جواہر، شیخ انصاری، نائینی سے امام خمینیؒ تک مختلف ادوار کے متلاطم نشیب و فراز میں ان شخصیات نے اپنی اس سنگین ذمہ داری کو بھرپور انداز میں ادا کیا۔اس مقالے میں ان شخصیات کی شیعہ سیاسی فقہ میں کوششوں کا اجمالی جائزہ پیش کیا گیا ہے جس کے نتیجے میں ایران میں اسلامی انقلاب اور نظامِ ولایتِ فقیہ سامنے آیا۔ بحث کا آغاز قدیم یونانی سیاسی مفکرین، دنیائے مسیحیت اور اہل سنّت کے حکومت اور سیاست سے متعلق نظریات کا سرسری جائزہ لینے سے ہوتا ہے۔ پھر نسبتاً تفصیل سے شیعہ کی سیاسی فقہ کی تاریخ کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ یوں فقہ کے تاریخی، سیاسی مطالعہ سے یہ بات بھی واضح ہو جائے گی کہ ولایت فقیہ کا نظریہ فقط امام خمینیؒ کی چند سالہ سیاسی جدوجہد کے دوران وجود میں نہیں آیا، بلکہ یہ شیعہ فکر کا بنیادی نظریہ ہے جو ابتداء سے ہی شیعہ فقہاکے درمیان رائج رہا ہے، اور زمانے کے ساتھ ساتھ بدلتے حالات اور شرائط میں بزرگ علما کی تاریخی کاوشوں سے مختلف تبدیلیوں سے گذرتے ہوئے بیسویں صدی عیسوی میں امام خمینیؒ نے اس نظریے کو عملی جامعہ پہنایا۔

اسلامی شریعت (فقہ) میں سیاست کے موضوع پر اگر تاریخی، سیاسی پہلو سے نگاہ دوڑائیں تو فقہا کی سیاست اور سماج کے بارے میں نظریات مختلف ادوار میں بنیادی تبدیلیوں سے دوچار ہوتے نظر آتے ہیں۔ امام مھدیؑ کی غیبتِ کبریٰ کی ابتداء (329ھ) ہی دراصل فقہاکے لیے شرعی احکام و قوانین [حوادثِ واقعہ] اور ان کی حدود کی فقہی وضاحت جیسی بھاری ذمہ داری کا آغاز تھا جو امامؑ نے خود اپنی توقیع (1) کے ذریعے ان کے سپرد کی تھی۔ لیکن زمان و مکان کی شرائط کے جبر نے اکثر فقہا کو ''حوادث واقعہ'' (نئے جنم لینے والے واقعات) کی ذمہ داری سے غافل کرکے ''حوادث سابقہ'' تک محدود کر دیا۔ تاہم اس غالب طرز تفکر کے باوجود ہر دور کے کچھ قابل اور مستعد افراد نے اصلی ذمہ داری کو مد نظر رکھتے ہوئے فقہ و شریعت کی رونق اور نشو و نما کو برقرار رکھا۔ شیخ طوسی، شیخ مفید، علامہ حلی، شہیدین، محقق، صاحبِ جواہر، شیخ انصاری، نائینی سے امام خمینیؒ تک مختلف ادوار کے متلاطم نشیب و فراز میں ان شخصیات نے اپنی اس سنگین ذمہ داری کو بھرپور انداز میں ادا کیا۔

یہاں اس مختصر بحث میں ان قابلِ قدر شخصیات کی شیعہ سیاسی فقہ سے متعلق کوششوں کی بتدریج تکمیل کا اجمالی جائزہ پیش کریں گے کہ جس کا نتیجہ ایران کے اسلامی انقلاب اور نظامِ ولایت فقیہ جیسے شیعہ سیاسی نظریہ کی عملی صورت میں سامنے آیا ہے۔

اپنی بحث کے آغاز سے پہلے قدیم یونانی سیاسی مفکرین، دنیائے مسیحیت اور اہل سنّت کے حکومت اور سیاست سے متعلق نظریات کے بارے میں بھی ایک سرسری جائزہ لیں گے اور پھر نسبتاً تفصیل سے شیعہ فقہا کی سیاسی فقہ کی تاریخ کا جائزہ پیش کریں گے، کہ گذشتہ ہزار سالہ تاریخ میں زمان اور مکان کی شرائط میں کیا تبدیلیاں واقع ہوئی ہیں اور مختلف ادوار میں عوام النّاس کس طرح شیعہ سیاسی نظریات کو قبول کرتے ہوئے علما کی پیروی

---

*۔ فاضل اسکالر، حوزہ علمیہ قم (ایران)۔

میں بیسویں صدی میں اس وقت جب حقیقی اسلام صفحہ ہستی سے مٹنے کو تھا، ایک دم اس ہزارے (*Millennium*) کا عظیم ترین حادثہ وجود میں لاتے ہیں جو حکومتی سوچ کو کتابوں سے نکال کر عملی صورت بخشتا ہے۔ یوں فقہ کے تاریخی۔سیاسی مطالعہ سے یہ بات بھی واضح ہو جائے گی کہ ولایت فقیہ کا نظریہ فقط امام خمینیؒ کی چند سالہ سیاسی جدوجہد کے دوران وجود میں نہیں آیا، بلکہ یہ شیعہ فکر کا بنیادی نظریہ ہے جو ابتداء سے ہی شیعہ فقہا کے درمیان رائج رہا ہے، اور زمانے کے ساتھ ساتھ بدلتے حالات اور شرائط میں بزرگ علما کی تاریخی کاوشوں سے مختلف تبدیلیوں سے گذرتے ہوئے بیسویں صدی عیسوی میں لوگوں کے درمیان اس نظریے کی واضح صورت اور عوام کے علما کے ساتھ والہانہ لگاؤ اور اتحاد کی بدولت امام خمینیؒ اس نظریے کو عملی جامہ پہناتے ہیں۔

ولایت فقیہ کا معنی

ولایتِ فقیہ کا لغوی معنی، ایسے شخص کی حاکمیت ہے جو فقہ (شرعی قوانین) سے مکمل آشنا ہو۔ اصطلاحی نقطہ نظر سے یہ شیعہ امامیہ کا سیاسی نظریہ ہے، جو غیبت کبریٰ میں اسلام کے سیاسی نظام کی بنیاد اور اس کا اصلی رکن ہے۔ ([2])

ولایتِ فقیہ مطلقہ سے مراد یہ ہے کہ اسلامی معاشرہ چلانے کے لیے جو اختیارات امامِ معصومؑ کے لیے باعنوان ولی امر کے ایک اسلامی معاشرے میں ثابت ہیں، ایک فقیہ کے لیے بھی ثابت ہیں اور اس میں کسی قسم کی محدودیت اور کمی نہیں لیکن یہ کہ کوئی واضح دلیل موجود ہو۔

حکمرانوں سے متعلق قدیم نظریات

سیاسی عقائد اور اقتصادی و سماجی تکامل کے درمیان رابطہ اتنا وسیع اور پیچیدہ ہے کہ صرف سیاسی عقائد و نظریات کے سرچشمہ سے ہی مربوط نہیں بلکہ کسی سیاسی عقیدے کا عملی فائدہ مختلف سماجی حالات سے وابستہ ہے جو ایک طرف مختلف سماجی طبقات کے ساتھ تعلق سے مختلف مفادات کے حصول کا باعث بنتے ہیں، تو دوسری طرف مختلف سماجی طبقات کی خاطر مختلف تصوراتِ زندگی کی ترقی میں اہمیت اختیار کر جاتے ہیں۔

تصورِ حیات سے مربوط بہت سے مسائل جو آج ہمارے پیشِ نظر ہیں، قدیم یونانی سیاسی دانشوروں کے زیرِ نظر بھی رہ چکے ہیں، جیسے طبقاتی اختلاف، ذاتی ملکیت کے حقوق، انفرادی آزادی اور سماجی مفادات کے روابط وغیرہ کی مباحث۔ لہٰذا افلاطون کی کتاب ''جمہور'' یا ارسطو کی کتاب ''سیاست'' (Politic) جو تقریباً تیسری صدی قبل مسیح کے وسط میں لکھی گئی تھیں، عصرِ حاضر میں پڑھنے والوں کے لیے مکمل طور سے قابلِ فہم ہیں۔

افلاطون کے عقیدے کے مطابق ذہنی تصورات یا آئیڈیل کی پہچان ایک کرب ناک اور کٹھن مرحلہ ہے جس تک ہر کوئی نہیں پہنچ سکتا، لہٰذا ان کی سوچ کے مطابق حکومت چلانا اور اس کی تبدیلی ایسے افراد کے ذریعے ممکن ہے جو قدرتی ذہانت سے مالا مال اور انتہائی تربیت یافتہ ہوں، اور اس ذمہ داری کے لائق افلاطون انہیں سمجھتے تھے، جنہیں وہ فلاسفر (یا فلسفی) کہتے، یعنی ایسے افراد جن کی ذہنی توانائی دوسروں سے زیادہ اور علمی طور پر بھی اعلیٰ مقام کے حامل ہوں۔ ان کی نظر میں حکومت چلانے کی ذمہ داری معاشرے کے اکثر افراد کی نہیں، کہ انہیں کبھی کوئی عہدہ دیا جائے تو کبھی کوئی منصب! نتیجتاً ایتھنز کا ڈیموکریسی کے بارے میں نظریہ، جو تمام شہریوں کے لیئے حکومت چلانے کی اہلیت کا اس شرط پر قائل تھا کہ وہ سیاسی سوجھ بوجھ رکھتے ہوں، افلاطون کے لیے ایک نفرت انگیز اور حقارت آمیز سیاسی نظام کا نمونہ تھا۔ ([3])

دوسری طرف ارسطو جنہوں نے نوجوان سکندر کا استاد ہونے کے ناطے سکندر کی مملکت کی پیدائش اور وسعت کا نزدیک سے مشاہدہ کیا تھا، اپنے استاد افلاطون کے مقابلے میں ایتھنز ڈیموکریسی کا زیادہ دفاع تو کیا، لیکن ان کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ ڈیموکریٹک رژیم، حکومت کی بہترین شکل نہیں ہے۔ وہ

ایسے بادشاہی نظام کو جس میں بادشاہ اپنی رعیت کے لیے ایک باپ کا کردار ادا کر رہا ہو، بہترین سیاسی نظام سمجھتے تھے، لیکن ساتھ ہی اس بات کے معتقد بھی تھے کہ چونکہ بادشاہی نظام کا نتیجہ استبداد (آمریت) کی صورت میں نکلتا ہے، لہٰذا ڈیموکریٹک حکومت ہی بہترین ممکن سیاسی نظام سے کمترین انحراف رکھتی ہے۔ ارسطو کی نظر میں ایک ڈیموکریٹک معاشرے کی سیاسی زندگی میں باپ بیٹے والا ہی رابطہ موجود ہونا چاہیے اور شہریوں کے درمیان بھی بھائیوں والا رابطہ اور تعلق برقرار ہو۔

افلاطون اور ارسطو کی طرف سے بیان کئے گئے مسائل کو صحیح انداز سے سمجھنے کے لیئے آج کی فکری اور سماجی سطح کے مطابق نہیں دیکھنا چاہیے، بلکہ جس غلامانہ معاشرے کے ایک مافوق البیان طبقاتی نظام میں وہ یونانی فلاسفر زندگی بسر کر رہے تھے، کو اگر درست درک کر سکیں تو صرف اس صورت میں ان یونانی فلاسفروں کی آراؤں اور بیان کئے گئے مسائل کو سمجھ پائیں گے۔

افلاطون اور ارسطو کی حکمرانی سے متعلق سوچ میں تمام تر اختلافات کے باوجود ان کی نظر میں حکومت کی ماہیت اور ذمہ داریوں سے متعلق مکمل ہم آہنگی پائی جاتی تھی، اور دونوں ہی معتقد تھے کہ حکومت کی اہم ترین ذمہ داری ہر چیز سے پہلے انسانوں کا اخلاقی اور روحانی کمال اور بہبود ہے نہ کہ لوگوں کے لیے مالی منابع کی کثرت اور مادی سطح زندگی کی فلاح کا حصول! ([4])

سن عیسوی کی ابتداء کے بعد کی سیاسی فکر

عہد وسطی کے شروع تک (تقریباً پانچویں صدی عیسوی کے اواخر تک) رومی سلطنت واحد قابل تصور طاقت تھی اور رومی بادشاہ خدا کا نمائندہ مانا جاتا تھا۔ لیکن رومی سلطنت کے زوال اور ساتھ ہی عیسائیت کے فروغ، جو دوسرے مذاہب کے مقابلے میں تیزی سے پھیل رہی تھی، کے نتیجے میں عہدِ وسطی کی سیاسی حکومت اور کلیسا کے تسلط میں عملاً کوئی واضح حد بندی باقی نہ رہی، اور مادی اور معنوی امور میں کسی قسم کا فرق باقی نہ رہا۔ پاپ اور بادشاہوں کے درمیان مختلف علاقوں میں موجود اختلافات، عقائد یا عیسائیت اور غیرِ عیسائیت کا جھگڑا نہ رہا، بلکہ یہ طاقت اور اقتدار کی بندر بانٹ کا شاخسانہ تھا۔

لوگوں کی شخصیت ان کے کام اور پیشے سے نہیں بلکہ مذہبی اعتقادات کے ضمن میں جانی جاتی۔ صلیب کی شکل کو عہدِ وسطی میں شہری منصوبہ بندی میں انتہائی اہمیت حاصل تھی۔ زیادہ تر بادشاہ اس بات کے مدعی ہوتے کہ وہ خدا کے خاص فضل و عنایت سے حکمران بنیں ہیں اور چونکہ یہ منصب خداوند کی عطا ہے نہ کہ لوگوں کی طرف سے، لہٰذا بادشاہ صرف خدا تعالیٰ کے سامنے جوابدہ ہے اور کسی اور کو یہ حق نہ تھا کہ بادشاہ کے بنائے قوانین کو چیلنج کر سکے۔ دوسری طرف علاقائی حکمران اور چرچ کے کرتا دھرتا بھی اقتدار اور مال و دولت سے ہاتھ کھینچنے پر راضی نہ تھے۔ انہی حالات کے سبب عہدِ وسطیٰ کے اواخر میں مختلف اقوام کی وجود میں آنے والی نت نئی علیحدہ حکومتوں کے بادشاہوں کی طاقت میں اضافے کے سبب ایک جدید صورتحال وجود میں آئی۔ ([5]) یعنی قدیم زمانے سے عہدِ وسطیٰ کے اواخر تک حکومت کے بارے میں سوچ اور ہدف خدائی اور روحانی و اخلاقی تھا یہاں تک کہ چرچ کی غلط پالیسیوں کی بنیاد پر نئی صورتحال کے تناظر میں سیکولر سوچ چھا گئی۔ ہم اسلامی معاشرے میں سیاسی طرزِ فکر کا مطالعہ دو نقطہ ہائے نظر سے کر سکتے ہیں:

۱۔ خلفاء کے مکتب میں اسلامی سیاسی فکر

مکتبِ خلفاء میں پیغمبر ختمی مرتبؐ کی رحلت کے ساتھ ہی شریعت الٰہی کا دوران اختتام پذیر مانا جاتا ہے، اور اسی وقت سے فقہی اجتہاد اور استخراج احکام کا دوران شروع ہو جاتا ہے۔ اہل ردہ سے خلافت ابوبکر کے پہلے ہی سال جہاد، پیغمبر اکرمؐ کے خلیفہ ہونے کے ناطے، اپنے ذاتی اجتہاد پر دیئے گئے فتوے کی بنیاد پر شروع ہوتا ہے؛ کہ اہل ردہ کے خلاف جہاد واجب ہے۔

یوں اہلِ سنت کی فقہ کی آبیاری خلیفہ اول اور ان کے قریبی افراد کے ذریعے ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے اسلامی تاریخ کے کچھ ادوار یا بعض اسلامی علاقوں میں، یہی فقہ حکومتوں کی سرکاری فقہ کے طور پر موردِ قبول واقع ہوتی ہے۔ دوسری صدی ہجری میں فقہ اہلِ سنت جب باقاعدہ مرتب ہونا شروع ہوتی ہے تو اس کا رابطہ بنی عباس کے حکومتی نظام سے پہلے سے زیادہ گہرا ہو جاتا ہے۔ یہ رابطہ سیاسی تفکرات کے ضمن میں دوسرے فقہی موضوعات کی نسبت زیادہ مؤثر اور مضبوط تھا، کیونکہ اصولی طور پر اہلِ سنت کی سیاسی فقہ کی بنیاد، حالِ حاضر اور گذشتہ موجود حکومتوں کے طریقہ کار کی مشروعیت پر بغیر کس دلیل اور ثبوت کے استوار رہی ہے۔ اسی لیے اہلِ سنت کی سیاسی فقہ گذشتہ ادوار کے معروضی حقائق کو حکومتی احکام کی بنیاد بنا کر مرتب کی گئی ہے۔ جس کے دو مندرجہ ذیل پہلو ہیں۔

1۔ ہر قسم کے گذشتہ سیاسی نظاموں کے جائز ہونے کا قائل ہونا

2۔ گذشتہ سیاسی نظاموں کے طریقہ کار کو بطور دلیل اور ثبوت استعمال کرنا

پہلے پہلو کا اگر کوئی جواز فراہم ہو بھی سکے تو دوسرے پہلو کا کسی صورت میں کوئی جواز نہیں بنتا، کیونکہ کسی بھی نظام کو جائز قرار دینے کا یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ سیاسی حکمرانوں کے اعمال اور کرتوت ایک سیاسی نظریئے کی علمی دلیل شمار ہونے لگیں۔

مکتبِ اہلِ بیتؑ میں شرعی احکام یا شریعت الٰہی کا مرتب ہونا پیغمبر اکرمؐ کی وفات کے ساتھ اختتام پذیر نہیں ہوتا بلکہ بارہ اماموں کے دوران حیات میں بھی جاری رہتا ہے اور ان کے اقوال شرعی اعتبار سے سنتِ پیغمبرؐ کے مساوی اور شرعی طور پر نصوص ([6]) ہیں نہ کہ اجتہادی فتوے!

۲۔ مکتبِ اہلِ بیتؑ میں اسلامی سیاسی فکر

مکتبِ اہلِ بیتؑ میں فقہی اجتہاد دوران غیبت کبریٰ سے متعلق ہے اور 329ھ سے اس کا آغاز ہوتا ہے۔ خلفاء کے مکتب کے مقابلے میں اہلِ بیتؑ کے مکتب میں امامت ایک خدائی عہدہ ہے جو نص کے ذریعے کسی کے سپرد کیا جاتا ہے اور عصمت اس کی شرائط میں سے ہے۔ لہٰذا آئمہ کی سیرت شریعت کے مآخذ میں سے ایک ماخذ شمار ہوتی ہے۔ نتیجتاً شیعہ امامیہ مکتب کی سیاسی سوچ و تفکر ایک کارآمد معنوی سہارے پر قائم ہے کیونکہ امامت خداوندِ کریم کی طرف سے عطا کیا ہوا ایسا منصب ہے جو تاریخ کے اختتام تک حاضر یا غائب شکل میں کسی نہ کسی کے سپرد ہے اور غیبت کے زمانے میں وجود میں آنے والی حکومت بھی اسی امامت کا تسلسل اور اس عہدے کی نیابت میں ہے۔

نظریہ ولایت فقیہ کی تاریخ

غیبت کبریٰ سے اگر ہم امامیہ سیاسی سوچ اور تفکر کا بغور مطالعہ کریں اور جن حالات اور شرائط کی وجہ سے امامؑ غیبت اختیار کرتے ہیں، کو مدنظر رکھیں تو ہمیں ان حالات اور شرائط میں تبدیلی کے ساتھ ساتھ علما امامیہ کے سیاسی تفکر میں بھی ایک قابلِ ملاحظہ تغییر نظر آتا ہے۔ یوں ان

حالات اور واقعات کی روشنی میں علمائے امامیہ کی سیاسی سوچ میں تبدیلی کی تاریخ کو تین درج ذیل اہم ادوار میں تقسیم کرکے ہر عہد کا علیحدہ مطالعہ کر سکتے ہیں۔

1۔ سیاسی نظریات کے چھپائے رکھنے اور سیاسی تقیہ کا دورہ

2۔ سیاسی نظریات کے اصول اور مبادیات کی تعمیر اور ترقی کا دورہ

3۔ شیعہ سیاسی نظریات کی تکمیل اور کمال کا دورہ

ا۔ پہلا دور (تقیہ کی سیاست)

یہ دورہ غیبت کے آغاز (259ھ) سے یعنی تیسری صدی ہجری کے نصف سے لے کر دسیوں صدی تک جاری رہتا ہے۔ سیاسی اور سماجی حالات کے جبر اور انتہائی ناگفتہ بہ شرائط کی وجہ سے شیعہ فقہا، تقیہ کی بناپر فقیہ کے اختیارات (ولایتِ فقیہ) کے نظام پر بحث کو غیر ضروری سمجھتے ہیں لہٰذا خراج، ذمہ، جہاد، نمازِ جمعہ وغیرہ جیسے موضوعات پر تقیہ کی حدود میں رہ کر بحث کرتے ہیں۔ اس دورے میں سیاسی طور پر چونکہ مکتبِ اہلِ بیتؑ کے ماننے والوں پر شدید ترین شرائط حاکم ہوتی ہیں، لہٰذا امامیہ فقہا کی سیاسی سوچ پر مکمل طور سے تقیہ حاوی تھا۔ انہی حالات کی بنیاد پر ساتویں صدی کے علما میں سے سید ابن طاوٗس جب منگول حکومت کو اپنی طرف مائل دیکھتے ہیں تو اسے خداوندِ متعال کی عنایت اور امام صادق علیہ السلام کی احادیث میں موجود غیبی خبروں میں سے ایک کا مصداق، کہ جس میں وہ ظہور کی علامات اور آخر الزمان کے واقعات جو کہ بعض اصحاب کے لیئے بیان فرماتے ہیں، قرار دیتے ہیں۔

اس دورے کو ظلم و ستم کی شدت اور نرمی کے لحاظ سے دو طرح کے بدلتے مختلف طریقہ کار تقیہ اور افہام و تفہیم میں مزید تقسیم کیا جاسکتا ہے، جو کہ دسویں صدی ہجری کے شروع میں وجود میں آنے والی صفوی حکومت تک اپنایا جاتا رہا۔ گو کہ عموماً یہ دونوں اکٹھے ہی اختیار کے لیے جاتے رہے لیکن بعض اوقات جیسے غزنویوں کی حکومت میں تقیہ کو ترجیح حاصل رہی جب کہ بعض ادوار میں جیسے آلِ بویہ اور منگول ایلخانیوں کے عہدِ حکومت میں خاص طور سے خواجہ نصیر الدین طوسی اور خواجہ رشید الدین فضل اللہ ہمدانی کے زمانے میں افہام و تفہیم کو ترجیح حاصل رہی۔

پہلے طریقہ کار (تقیہ) کا عہد

یہ عرصہ غیبت کبریٰ کے آغاز سے لے کر منگول ایلخانی سلطنت کے آغاز تک محیط ہے۔ غیبتِ کبریٰ 329ھ (بمطابق 941ء) میں شروع ہوتی ہے، یہ وہ زمانہ تھا جب عباسی خلافت کمزور اور ضعیف ہونا شروع ہو چکی تھی، عظیم اسلامی سلطنت میں بھی دراڑیں پڑ چکی تھیں اور اسلامی سرزمین کے کئی حصّوں پر شیعہ حکومتوں کے وجود میں آنے کا موقع فراہم ہو چکا تھا۔ آلِ بویہ ایران کے ایک حصّے پر قابض ہونے کے بعد اپنے اقتدار کی سرحدوں کو بغداد تک آہستہ آہستہ پھیلا رہے تھے، موصل اور شام میں حمدانیوں، مصر پر فاطمیوں، ایران کے شمالی علاقوں پر علویوں، مکہ اور مدینہ پر حسنی اشراف کا اقتدار قائم ہو چکا تھا۔ لہٰذا شیعہ مذہب کی ترقی کے لیے ایک تاریخی موقع میسر تھا اور بزرگ علما جیسے شیخ مفید، سید مرتضیٰ، سید رضی اور شیخ طوسی وغیرہ نے آلِ بویہ سے حاصل ہونے والی منفرد حیثیت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے شیعہ مذہب کی ترقی اور ترویج کے لے خوب کام کیا۔ اسی دورے میں فقہ کے اند اجتہاد کی بنیاد رکھی گئی اور فقیہ کے اختیارات کے بارے میں فقہی کتب میں قابلِ حاصل مباحث مرقوم ہوئیں۔ ساتھ ہی سید مرتضیٰ اور سید رضی نے حاکمانِ وقت کی طرف سے دیئے گئے اختیارات کو قبول کرتے ہوئے اپنی ولایت کو عملی طور پر جاری کیا۔ ([7])

دوسرے طریقہ کار (افہام و تفہیم) کا عہد

یہ عرصہ منگول ایلخانوں (654 سے 750ھ مطابق 1256 سے 1335ء) کا دور حکومت ہے۔آلِ بویہ کے زوال کے ساتھ ہی، شعیوں کی قسمت کا ستارہ بھی غروب ہو گیا اور ایک بار پھر شیعہ اقلیت پر خلافت کا سایہ چھاگیا اور دوبارہ شیعہ علما کو مجبوراً سیاسی طور پر تقیہ کی پناہ حاصل کرنی پڑی۔ شیعہ علمی حوزوں کی رونق ماند پڑ گئی اور شیعہ دنیا کے علمی حلقوں اور خاص طور پر فقہ میں جمود اور ٹھہراؤ کا آغاز ہوا۔ اس عرصے میں زیادہ تر فقہیوں نے شیخ طوسی کی آراء اور نظریات کو بیان کرنے پر ہی اکتفا کیا۔ نتیجتاً سیاسی فکر اور فقیہ کے اختیارات اور اس سے متعلق مباحث بھی پس پشت چلی گئیں۔ یہاں تک کہ تاریخ میں پہلی بار سالار دیلمی نے غیبت کے زمانے میں نمازِ جمعہ بر پا کرنے کی حرمت کا فتویٰ دیا۔([8])

ساتویں صدی ہجری کے نصف کے بعد جب عباسی خلافت جو کہ اہلِ تسنن کی نمائندہ حکومت مانی جاتی تھی، اختتام پذیر ہوئی تو شیعوں کو اپنے عقائد و نظریات کے پھیلانے اور پیروکاروں میں اضافے کا آغاز کرنے کے لیے پوری طرح سے موقع ملا۔ خواجہ نصیر الدین طوسی نے ہلاکو خان پر اپنے اثر و رسوخ کا شیعوں اور اس کے درمیان تعلقات کی بہتری کے لیے خوب استعمال کیا۔ غازان خان کے اسلام قبول کرنے اور اس کے شیعہ مذہب کی طرف رجحان، اور سلطان محمد خان (الجاتیو) کے اقتدار سنبھالنے پر شیعوں کی قسمت پھر جاگ اٹھی۔ خواجہ نصیر الدین طوسی، علامہ حلی، فخر المحققین، شہید اول جیسے علما نے شیعہ مذہب کی بنیادوں کو بڑا استحکام بخشا اور سیاسی سوچ و فکر سے مربوط ابحاث جیسے فقیہ کی نیابت، فقیہ کے اختیارات کی حدود اور حاکموں سے برتاؤ کے طریقہ کار وغیرہ بھی دیگر ابحاث کی طرح علمی حلقوں میں رائج ہو گئیں اور فقہا نے اس بارے میں اظہارِ نظر کرنا شروع کر دیا۔([9])

اس دورے کے اہم فقہا اور دانشوروں کی سیاسی آراء

الف: شیخ مفید (328ھ سے 413 ھ)

محمد بن محمد بن نعمان ملقب شیخ مفید شیعہ امامیہ فقہ میں اجتہاد کے طور طریقے کی بنیاد رکھنے والوں میں سے ہیں۔ شیخ مفید اپنے علمی اور روحانی مقام کی وجہ سے شیعہ اور اہلِ سنت دونوں علمی حلقوں میں عزت و تکریم کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ آلِ بویہ کے دورِ اقتدار میں انہوں نے تمام مذاہب دینی کے علما سے مناظرے کئے اور تمام افراد حتیٰ ان کے دشمن بھی مناظروں میں ان کی جرات او ہمّت کے معترف تھے۔ اس زمانے میں شیخ مفید کا شمار مسلمانوں اور شیعوں کے پُر اثر ترین مرجع، دانشور اور راہنما کے طور پر ہوتا تھا۔ ان کی سیاسی نظر درج ذیل ہے۔

1۔ ظالم حاکم کی ولایت

وہ غیبت کے زمانے میں، عالم اور مدبر فقہا کی ولایت کی تاکید کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "جب معصوم سلطان غائب ہو [حکومت اور فیصلوں سے متعلق ہر عمل کے لیے] تو اہلِ حق فقہا جو امور کی تدبیر کرنے والے، عقلی صلاحیت اور اپنے زمانے کے دیگر فقہا پر (علمی اور روحانی) برتری رکھتے ہوں تو ان امور کے اجراء کی سرپرستی کر سکتے ہیں جو معصوم سلطان انجام دیا کرتے تھے۔"

2 ۔ ولایت فقیہ

سب سے پہلے جس فقیہ نے ولایت فقیہ کے نظام کو خدائی نظام کے طور پر بیان کیا وہ شیخ مفید ہیں۔ ان کا عقیدہ تھا کہ "ولایت ایک حکومتی نظام ہے اور فقیہ کو اسلامی سلطان، حاکم اور اسلامی سلطان کے نائب جیسے عناوین سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ منصب آئمہ معصومینؑ کی وراثت کے طور پر فقہا کی طرف منتقل ہوا ہے کیونکہ العلما ورثۃ الانبیاء۔"

وہ فقہا کی ولایت کے بارے میں فرماتے ہیں: "حدود کا جاری کرنا اور اسلامی احکام کا انتظام و انصرام، اسلامی سلطان کی ذمہ داری ہے، جو خداوندِ متعال کی جانب سے مقرر کیا گیا ہو اور سلطان سے مراد آئمہ علیہم السلام یا وہ لوگ ہیں جو ان کی طرف سے متعین ہوے ہوں۔ آئمہ نے اس اختیار کو شیعہ فقہا کے سپرد کیا ہے تاکہ جب بھی اس ذمہ داری کا پورا کرنا ممکن ہو تو وہ اسے انجام دیں۔"

ب: سید مرتضیٰ علم الہدیٰ (355ھ سے 436 ہجری قمری)

سید مرتضیٰ نے اپنے والد، سید حسین موسوی بغدادی، جن کے پاس حکومتی قاضی القضات کا منصب تھا، کے برخلاف کسی بھی قسم کے سیاسی منصب کو قبول کرنا گوارانہ کیا۔ اس کے باوجود شیخ مفید علیہ الرحمۃ کی رحلت کے بعد بغداد کے شیعوں کی رہبری کا عہدہ قبول کیا اور باطنی میل کے برخلاف، بڑے بھائی سید رضی کی وفات کے بعد، نظامت حج، قاضی القضات، ناظم اعلیٰ اور عوامی شکایات اور مظالم کے ازالہ کی نظامت جیسے عہدوں پر فائز رہے۔ شیعہ مکتب میں وہ عقلیت پسندی کے زمرے میں آنے والے علما میں سرِفہرست شمار ہوتے ہیں۔

سید مرتضیٰ کے عقیدے کے مطابق سیاسی طور پر، عقلی اور شرعی وجوہات موجود ہونے کی صورت میں، کوئی بھی ذمہ داری قبول کرنے والا شخص حاکم کا نمائندہ نہیں بلکہ آئمہ برحق کا نمائندہ ہوتا ہے۔

سید مرتضیٰ کے قول کے مطابق؛ ہمیشہ سے مختلف زمانوں کے متقی اور دانشور افراد ظالم حکمرانوں کی طرف سے سونپی گئی ذمہ داریوں کو بعض دلائل کی بناء پر قبول کرتے رہے ہیں۔ ایسی ذمہ داری قبول کرنا، اگر اس میں اچھا پہلو موجود ہو، گو کہ ظاہراً ایک ظالم حکمران کی طرف سے ہوتی ہے لیکن باطنی طور پر یہ آئمہ برحق کی طرف سے ہو گی۔

ج: شیخ طوسی

ابو جعفر بن حسن طوسی ملقب شیخ طوسی، شیخ مفید اور سید مرتضیٰ کے شاگرد تھے۔ وہ سید مرتضیٰ کے بعد عملاً اپنے زمانے میں علمی لحاظ سے اعلیٰ ترین مقام پر فائز ہوئے اور شیعہ اور سنی دونوں مذاہب کے افراد کے درمیان انتہائی عزت اور احترام کے حامل تھے اسی وجہ سے انہیں شیخ الطائفہ کا لقب دیا گیا۔ سن 447 ہجری قمری بمطابق 1095ء میں سلجوقی حکمرانوں میں سے طغرل بیگ نے بغداد پر حملہ کیا تو شیعوں کے عظیم کتابخانے جن میں شیخ طوسی کا کتابخانہ بھی شامل تھا جلا ڈالا گیا۔ اس واقعے کے بعد شیخ طوسی نے مجبوراً بغداد سے نجف اشرف مہاجرت کی اور نجف اشرف کے عظیم شیعہ حوزہ علمیہ کی بنیاد ڈالی۔

شیخ طوسی کی نظر میں معاشرے کی رہبری اور حکومت کا وجود اور وجوب ایک عقلی بحث ہے کہ جس کے مفقود ہونے پر معاشرے تباہی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ وہ اسلامی معاشرے میں رہبر کے ایک یا متعدد ہونے کو شریعت اور دینی اصولوں کے تابع سمجھتے تھے۔ ان کی سوچ کے مطابق عقلی لحاظ سے ایک علاقے میں رہبروں کے متعدد ہونے پر کوئی حرج پیش نہیں آتا، بلکہ یہ شرعی احکام اور قوانین ہیں جو رہبری کی وحدت پر تاکید کرتے ہیں۔
ایک سیاسی نظام یا حکومت میں امام یا ان کے جانشین کے اختیارات کی حدود سے متعلق وہ اس نکتے کو بیان فرماتے ہیں کہ ایک معاشرے کی سیاست میں تمام منصب دار، ذی مرتبہ اور عہدہ دار صرف امام کی طرف سے مقام حاصل کر سکتے ہیں اور اس جواز کی بنیاد پر ہی وہ سیاسی اور سماجی مسائل کے بارے میں فیصلے کر سکتے ہیں، البتہ ان کے لیے عصمت کی صفت ضروری نہیں ہے کیونکہ ان کے اعمال اور کردار پر ایک معصوم امام کی نگرانی موجود ہوتی ہے۔ ([10])

د: محقق حلی (602 سے 676 ہجری قمری)

نجم الدین ابوالقاسم جعفر بن حسن مشہور بہ محقق حلی (محقق اول) بلند مرتبہ شیعہ فقیہ تھے، جنہوں نے منگول لشکر کے اسلامی سرزمین پر حملے اور اسلامی تمدن اور ثقافت پر لگائی کاری ضرب اور وجود میں آنے والی مشکلات اور تباہی کے زمانے میں انتہائی اہم علمی اور ثقافتی کام سرانجام دیئے۔
محقق حلی نے عادل سلطان کے اختیارات اور ذمہ داریوں سے متعلق اپنی فقہی بحث میں عادل سلطان کی ولایت کو جائز بلکہ کئی موارد میں واجب قرار دیا ہے، جبکہ عادل فقیہ کی حکومت کو دوسروں کی نسبت فوقیت اور برتری دی۔ ([11])

ھ: علامہ حلی (648 سے 726 ہجری قمری)

حسن بن یوسف بن مطہر حلی، مشہور بہ علامہ حلی، اپنے ماموں محقق حلی کے انتقال کے بعد شیعوں کے مرجع اور راہنما بنے۔ اپنی انتھک کوششوں سے اہلِ بیتؑ کی فقہ اور ان کے علوم کو خوب پھیلایا اور فقہ میں ایک عظیم انقلاب برپا کیا۔ علامہ کے دور میں جہانِ اسلام کے گوشہ و کنار تک اہلِ بیتؑ کے مذہب کی حقانیت اور علم و دانش کو بے انتہا ترویج اور ترقی نصیب ہوئی۔ سلطان محمد خدابندہ (الجاتیو) علامہ حلی کے مناظروں کی وجہ سے شیعہ ہو گیا اور اس نے جعفری مذہب کا قانونی طور پر اعلان کیا۔ ایران بھر میں اسی وجہ سے شیعہ مذہب رائج ہوا، یوں شیعہ تاریخ کے ایک جدید دور کا آغاز ہوا۔

وہ ولایت سے متعلق فرماتے ہیں: اسلام میں موجود سزاؤں کا نفاذ معصوم امام کے ہوتے ہوئے خود ان کے یا ان کے مقرر کردہ افراد کے ذریعے اور امام کی غیبت کے زمانے میں شیعہ فقہا کے ذریعے انجام پاتا ہے اور اسی طرح خمس و زکات لینے اور ان کی تقسیم اور فتویٰ جاری کرنا۔ ([12])

و: شہید اول (734 سے 786 ہجری قمری تک)

شمس الدین محمد بن مکی عاملی معروف بہ شہید اول، ایوبیوں کے ہم عصر تھے۔ فقہ، اصول، کلام و شعر وغیرہ پر ان کے بیش قیمتی آثار موجود ہیں جن میں ان کی ایک کتاب اللمعۃ الدمشقیہ اب تک حوزہ علمیہ کی تدریسی کتاب ہے۔ شہید اول غیر منطقی قسم کے الزامات مثلاً غیر اسلامی عقائد اور سربداران نامی تحریک سے بے دلیل تعلقات کی بناء پر شیعہ دشمن حکمرانوں کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

شہید غیبت کے زمانے میں جامع الشرائط فقیہ کی ولایت کے استحکام کے بارے میں فرماتے ہیں: ''اسلامی سزائیں (حدود اور تعزیرات) امامؑ یا ان کے خاص یا عام نائب کے ذمہ ہیں لہٰذا غیبت کے زمانے میں اگر ممکن ہو تو ان احکام کا جاری کرنا جامع الشرائط فقیہ کے لیے جائز ہے اور اس صورتحال میں فقیہ کے لیے فتویٰ دینا بھی واجب ہو گا۔'' ([13])

۲۔ دوسرا دور (سیاسی نظریات کے اصول و مبادی کی تشکیل)

اس عہد کی خصوصیات

یہ عرصہ دسویں صدی ہجری قمری سے تیرہویں صدی کے وسط تک پھیلا ہوا ہے اس دور میں مشہور و معروف علما محقق کرکی، شیخ جعفر کاشف الغطاء، ملا احمد نراقی، میر فتاح حسینی مراغی، شیخ محمد حسین نجفی (صاحب جواہر)، شیخ مرتضیٰ انصاری، سید آلِ بحر العلوم کا نام دوسرے تمام اہم علما اور دانشمندوں میں سر فہرست ہے۔

دسویں صدی ہجری میں محقق کرکی، جن کے سیاسی نظریات میں فقیہ کی امامؒ کی نیابت سے متعلق سوچ کو مرکزی حیثیت حاصل تھی، اپنے علمی رسالے کے جمعے کی نماز سے متعلق بحث میں لکھتے ہیں:

''ہمارے تمام علما اس بات پر متفق ہیں کہ ایک عادل، امامی، جامع الشرائط صاحبِ فتویٰ فقیہ جسے شرعی احکام کا مجتہد کہا جاتا ہے، غیبت کے زمانے میں آئمہ ہدیٰ علیہم السلام کا نائب ہے، ان تمام امور میں جن میں امام کی نیابت دخیل ہے۔''

ان کی یہ بات اس مطلب کی غماز ہے کہ اس سوچ کی بنیاد ان کی اپنی خلاقیت نہیں، یعنی ان سے پہلے موجود فقہی آثار جیسے علامہ حلی کی کتاب ''تذکرہ''، محقق حلی کی ''شرائع'' وغیرہ میں بھی پائی جاتی ہے، بلکہ جو چیز نئی تھی وہ ''محقق کرکی'' کے ذریعے اس سوچ کا سیاسی نظریئے میں مرکزی عنصر کے طور پر ظہور اور اس کی مفصل وضاحت ہے۔ اس قدر وضاحت کہ شاہ طہماسب (عہد حکومت 930 سے 984 قمری) نے ان کے بارے میں اعتراف کرتے ہوئے کہا: ''آپ نائبِ امام ہیں اور میں صرف آپ کا ادنیٰ کارکن ہوں جو آپ کے احکام کو اجرا کرتا ہے۔'' محقق کرکی نے بھی اپنے انہیں اختیارات کے بل بوتے پر شاہ کو اپنے عہدے پر کام جاری رکھنے کی اجازت دی، تاکہ ایک دینی مرجع کی نگرانی میں ملک کا نظم و نسق سنبھالے رکھے اور یوں مکتب اہلِ بیتؑ کا سیاسی نظریہ صحیح طریقے سے ایک واضح حد بندی میں عملی طور پر نافذ ہو سکے۔ ایک ایسے ماحول میں جہاں اہلِ سنت کے چاروں مذاہب کے تحت، فقیہ حاکم وقت کی اطاعت کا پابند تھا، انہوں نے حاکم کو فقیہ کا پابند کیا۔ خواجہ نصیر الدین طوسی کے بعد تاریخ میں مذہبِ شیعہ کی ترویج اور استحکام میں جتنی محنت محقق کرکی نے کی، کسی اور نے وہ خدمت انجام نہیں دی اور پہلی دفعہ فقیہ کی ولایت کا سیاسی نظریہ کسی حد تک عملی صورت میں روا ہوا۔

تیرہویں صدی ہجری میں شیخ جعفر کاشف الغطا (وفات 1227 ہجری قمری) نے فقیہ کی امام کی نیابت پر تاکید کی اور اس بناء پر شاہ فتح علی قاچار کو روس کے قبضے سے ایران کے شمالی علاقوں کو آزاد کرانے کے لیے جنگ لڑنے اور اس کی قیادت کی اجازت دی۔ ([14])

دوسری طرف اس دورے میں جو انتہائی اہم نظریاتی تبدیلی واقع ہوئی وہ یہ کہ ملا احمد نراقی (وفات 1245 ہجری قمری) نے ''عوائد الایام'' نامی کتاب لکھی کہ جس میں ''فی تحدید ولایۃ الحاکم'' جیسا موضوع موردِ بحث قرار دیا گیا۔ اس موضوع کے ذیل میں انہوں نے اس بات پر توجہ مرکوز رکھی کہ امامؑ کی غیبت کے زمانے میں ہمیشہ اختیارات اور صلاحیتیں وقت کے فقیہ کے حوالے کی جاتیں ہیں۔ یہاں سے آہستہ آہستہ ولایت، فقیہ کے موضوع نے فقہا کی توجہ اپنی طرف مبذول کرنی شروع کی اور امام کی نیابت سے بڑھ کر امامیہ فقہ میں ایک سیاسی نظریئے کے طور پر زیر بحث آیا اور اس پر دلائل اور قرائن کے ذریعے تنقیدی جائزہ لیا جانے لگا۔

اس دورے کے اہم فقہا کے سیاسی نظریات

الف: محقق کرکی (870 سے 940 ہجری قمری)

نور الدین علی بن عبد العالی معروف بہ محقق ثانی، جبلِ عامل کے نزدیک کرک نامی دیہات میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم لبنان اور پھر دمشق، بیت المقدس، اہلِ سنت کے عظیم مرکز مصر سے تعلیم کے زیور سے اپنے آپ کو یوں آراستہ کیا کہ دسویں صدی کے بلند پایہ دانشمندوں میں ان کا شمار ہونے لگا اور "محقق ثانی" "مولای مروّج" "محقق کرکی" اور "شیخ علائی" جیسے القابات سے نوازے گئے۔ مصر سے عراق کے شہر نجف اشرف مہاجرت فرمائی اور وہاں تدریس کی ابتداء میں ہی شاہ اسماعیل صفوی نے اپنی حکومت کے امور کے لیے انہیں ایران آنے کی دعوت دی جسے انہوں نے شیعوں کی حالتِ زار کی بہتری اور زبون حالی کے خاتمے کے لیے وقت کی نزاکت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے قبول فرمایا۔ شیخ بہائی کے والد نے، محقق کرکی کی وفات کی وجہ ان حکومتی افراد کی طرف سے دیا جانے والا زہر ذکر کیا ہے جن کے مفادات کو محقق کرکی کے ایران آنے کی وجہ سے نقصان پہنچ رہا تھا۔

محقق کرکی جو صفوی شاہ کی دعوت پر ایران آئے تھے جہاں پہلی بار "شیخ الاسلام" کا منصب انہیں بعنوان ایک شیعہ فقیہ کے سونپا گیا تھا اور صفوی شاہ نے ان کی سرپرستی قبول کرتے ہوئے ان کے احکام کو جاری کرنا شروع کر دیا۔ جناب کرکی نے ایران کے مختلف شہروں کے حکومتی کارکنوں کو اپنے احکام صادر کئے اور امر و نہی کے ضمن میں برائیوں اور قباحتوں کی روک تھام کے لیے درج ذیل احکام جاری کئے۔

حکومتی نمائندوں کو لوگوں کی مشکلات کے حل کے لیے ان کے پاس جانے کی ھدایت کی اور عوام سے اچھے طریقے سے پیش آنے کا حکم دیا۔

اپنے طریقے سے مخالفت رکھنے والے علما کو عزل کرنے کا حکم دیا تاکہ شیعوں کے درمیان نظریاتی اور فکری اختلافات اور انحرافات پیش نہ آئیں۔

ہر شہر اور دیہات کے لیے امام متعین کرنے کا حکم دیا تاکہ نمازِ جماعت برقرار ہو اور لوگوں کو اسلامی شریعت سکھائیں۔ ([15])

ب: شہید ثانی: (911 سے 966 قمری)

شیخ زین الدین مشہور بہ شہید ثانی جبل عامل کے ایک معروف عالم تھے۔ سیاست کے بارے میں جیسے اسلامی سزاؤں، حکومت، رہبری میں ان کی سوچ بھی شہید اول اور محقق حلی جیسی تھی۔ ([16])

ج: وحید بہبانی: (1117 تا 1205ھ)

محمد باقر بن اکمل معروف بہ وحید بہبانی، تیرہوں صدی کے عظیم فقہا میں سے تھے۔ افغانی حملہ آوروں کے ہاتھوں اصفہان کی فتح پر بہبان اور وہاں سے نجف اور پھر کربلا جا کر بس گئے اور وہاں ہی نمازِ جمعہ کی امامت کیا کرتے تھے۔ ان کا زمانہ صفویہ سلطنت، افغانی دورِ حکومت، افشاروں اور زندیوں کے اختتام اور آغا محمد خان قاچار کی فتوحات کا آغاز تھا۔ علامہ بہبانی سیاست سے دور رہتے اور مختلف بادشاہوں کی دعوت اور انکے تحفہ تحائف بھی قبول نہ فرماتے۔ اس کے باوجود انہوں نے شیعہ حوزوں، خاص طور پر نجف کے حوزے میں احکام کے استنباط میں عقل کو شامل رکھنے کے لیے علمِ اصول کے احیاء اور اس علم کے شاگردوں کی بہترین تربیت کی، اور سیاسی مسائل کے استنباط کے طریقہ کار پر بحث و مباحثہ کا آغاز کیا، جس کے نتیجہ میں علمِ اصول سے بہرہ مند فقہا اور علما، ایران اور عراق کے معاشروں میں سیاسی تبدیلیاں برپا کرنے والوں کی صفِ اول میں شمار ہونے لگے۔ خود علامہ بہبانی نے کربلا کے حوزے کا انتخاب کیا جو اخباریوں کا مرکز اور خاص طور سے ان کے سربراہ شیخ یوسف بحرانی کی اقامت گاہ تھا۔ علامہ

نے ان کے مقابلے میں اپنے مضبوط عقلی اور نقلی دلائل سے اخباریوں کے سو سالہ اثر و نفوذ کا ایران اور عراق کے شیعہ حوزوں سے خاتمہ کیا۔ ([17])
علامہ کے عقیدے کے مطابق اسلامی حقوق اور قوانین پر عمل کے لیے، امامِ معصومؑ کے زمانہ حضور اور غیبت میں کوئی فرق نہیں لہٰذا معصومؑ کی غیبت میں نہ فقط اسلام کے حکومتی احکام ختم نہیں ہوتے بلکہ معصومؑ کے حضور کا خلاء امام غیبؑ کی نیابتِ عام میں جامع الشرائط فقہا کو متعارف کرنے سے (حکومتی سطح پر) پورا کیا جا سکتا ہے۔

د: شیخ جعفر کاشف الغطاء (وفات 1228 ہجری قمری)

تیرہویں صدی ہجری کے انتہائی عظیم فقیہ اور دنیائے شیعہ کے مرجع تھے ان کا سلسلہ نسب مالک اشتر نخعی سے ملتا ہے۔ آیت اللہ وحید بہبانی کے ہونہار شاگردوں میں سے تھے اور اخباریوں کے مقابلے میں اپنے استاد کے نقشِ قدم پر چلے، سماجی اور علمی حلقوں میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے۔ اسی لیے اسلام اور مسلمانوں پر آنے والے آشفتہ دور میں فتح علی قاجار کو انکے دفاع کی اجازت دی اور مسلمانوں کی عمومی مصلحت کی خاطر اس کی پوری طرح مدد فرمائی۔ اپنی کتاب "کشف الغطاء عن مبھمات الشریعۃ الغراء" کی تالیف کی بنا پر "کاشف الغطاء" معروف ہوئے۔ ([18])

ھ: ملا احمد نراقی (1185 ۔ 1245 ہجری)

نراقی، کاشف الغطاء کے شاگردوں میں سے تھے اور شیخ مرتضیٰ انصاری کے استاد شمار کئے جاتے ہیں۔ فتح علی شاہ کے دورِ حکومت کے اہم ترین عالم اور مرجع تقلید تھے اپنے والد کی فلسفیانہ طرزِ فکر کی بناء پر سیاست پر ایک فلسفی نگاہ اور سوچ رکھتے تھے۔ زمانہ غیبت میں عادل فقہا کی حکومت کے قائل تھے اور اس بارے میں "عوائد الایام" میں دو بنیادی فقہی اصول بیان فرمائے اور فقیہ کی ولایتِ عام اور مطلق کو علیحدہ علیحدہ اور ایک دوسرے سے مربوط مفصل بیان فرمایا۔

و: سید محمد مہدی طباطبائی، بحر العلوم (وفات 1212 ہجری)

بحر العلوم، سید مرتضیٰ کے فرزند آیت اللہ وحید بہبانی کے شاگردوں میں سے عظیم الشان شیعہ عالم تھے۔ ولایت کے بارے میں فرماتے ہیں: "اہم ترین بحث ولایت فقیہ کے بارے میں ہے۔ فقیہ کی ولایت کو ثابت کرنے کے لیئے کسی قسم کی بحث کی گنجائش نہیں ہے۔ ایسا موضوع ہے کہ اس پر منقول اور محوری اجماع قائم ہے۔۔۔"

ز: محمد حسن نجفی (صاحبِ جواہر) (وفات 1266 ہجری)

انہوں نے جواہر الکلام نامی کتاب کی تدوین سے شیعہ فقہ کو عمق اور نشو و نما کے ایک نئے مرحلے میں داخل کیا۔ سینکڑوں سال گزرنے کے باوجود ان کے نظریات کا آج بھی شیعہ فقہ کے بنیادی مضبوط اور رائج نظریات میں شمار ہوتا ہے۔ ان کے زمانے میں نجفِ اشرف شیعہ دنیا کے علما اور طلباء کا گڑھ تھا۔

یہاں مختصر طور پر صرف ولایتِ فقیہ سے مربوط ان کی بحث کا ذکر کرتے ہیں۔ صاحبِ جواہر عصرِ غیبت میں جامع الشرائط فقہا کی ولایت اور نیابتِ عام سے متعلق گذشتہ فقہا کی آرا بیان کرنے کے بعد اسے اتنا واضح اور بدیہی قرار دیتے ہیں کہ فرماتے ہیں: "جو بھی اس مسئلے میں تردید اور شک کرے تو گویا اس نے فقہ کی الف ب بھی نہیں سیکھی اور معصومینؑ کے اقوال کو سمجھا ہی نہیں۔"

اسی لیے صاحبِ جواہر کے بعد کے علما اور فقہا نے بھی ولایتِ فقیہ کو عام امور میں ایک فقیہ کی ذمہ داری اٹھانے کی ضرورت کی خاطر قبول کیا ہے، تا کہ سماجی زندگی کے نظم و نسق سے متعلق مسائل بیان ہو سکیں۔

ح: شیخ انصاری (1214 سے 1281 ہجری)

شیخِ اعظم انصاری علما امامیہ میں مکمل ترین شیعہ فقیہ اور دنیائے اسلام کے ایسے ذہین ترین افراد میں شمار ہوتے ہیں کہ بعض فقہا اور سلسلہ نسب بتانے والوں نے انہیں "خاتم الفقہا والمجتہدین" کا لقب دیا ہے۔
شیخ انصاری کو ولایت فقیہ کے نظریے کے مخالفین میں سے سمجھا جاتا ہے۔ عمومی نیابت اور ولایتِ فقیہ سے متعلق انکی نظر کے مطابق نیابتِ عام اور ولایتِ فقیہ کو ایک مقام اور منصب کے طور پر بیان کئے گئے دلائل کی بناء پر ثابت کرنا مشکل ہے، لیکن عام امور خاص طور پر اسلامی سزاؤں کے بارے میں غیبت کے زمانے میں جامع الشرائط فقیہ کی ذمہ داری کے بارے میں وہ مخالفت نہیں کرتے بلکہ واضح طور سے اسے شرعی ضرورتوں میں سے شمار کرتے ہیں۔ ([19])

دوسری طرف کتابِ قضاء میں شیخ انصاری تمام وہ موارد جو عمومی مصلحت کے تحت عصرِ حضور میں امامِ معصومؑ کی ذمہ داری بنتی ہے، انہیں غیبت کے زمانے میں جامع الشرائط فقیہ کی ذمہ داری قرار دیتے ہیں اور اپنی پہلی رائے سے ہٹ کر اس نظریہ کے ذیل میں عمر بن حنظلہ کے مقبولہ (ایسی حدیث جو راویوں کے لحاظ سے ضعیف ہو لیکن گذشتہ علما نے اسے رد نہ کیا ہو) اور گہرے فقہی مطالعہ کی بناء پر فقیہ کی عمومی مرجعیت کو مدلل بیان کیا ہے۔ ([20])

۳۔ تیسرا دور (شیعہ سیاسی نظریات کی تکمیل کا دور)

اس عصر کی خصوصیات: یہ دورہ چودھویں صدی ہجری میں سنہ 1308 قمری میں تنباکو تحریک اور پھر 1324 ہجری قمری میں آئینی انقلاب (انقلابِ مشروطہ / Constitutional revolution) شیعہ علما کی سیاسی جد و جہد سے بڑھ کر ایک واضح اور تفصیلی شیعہ سیاسی نظریے میں تبدیل ہوتا ہے اور آخر کار 1398 قمری میں ایک مکمل عملی صورت اختیار کر جاتا ہے۔ ایک ایسا نظریہ جو امت کی سیاسی صورتحال کی اصلاح اور اسلامی معاشرے کے امور کا نظم و نسق سنبھالنا چاہتا ہے۔ شیعہ سیاسی نظریات جو شیعہ سیاسی فقہ میں غفلت کی وجہ سے آئینی انقلاب سے پہلے تک اتنا زیادہ پھل پھول نہ سکے تھے، آئینی انقلاب کے بعد اس میں ایک دم ترقی ہوئی۔ سیاسی طاقت اور اس سے مربوط مفہوم جیسے آزادی، عدالت، برابری، قانون، پارلیمنٹ، حقِ اکثریت، شورائی نظام، آئینی نظام (مشروطہ)، جمہوریت وغیرہ کے مقابلے میں پیدا ہونے والا احساس اور دوسرے الفاظ میں واقعیت کو مد نظر رکھتے ہوئے اور آئیڈیل صورتحال سے ہٹتے ہوئے، غیبت کے زمانے میں حکومت کی بحث جاری رکھنا، سب کچھ شیعہ سیاسی سوچ اور فقہ میں جدید اجتہاد کے وجود میں آنے کی بنا پر ہے، اور یوں دین اسلام؛ ایمان، معارف اور اعمال پر مشتمل اپنے حقیقی جامع نظام کی صورت میں ابھرا جو انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کو لیے ہوئے ہے۔ ذیل میں ہم آئینی انقلاب (مشروطہ) کے بعد، نظریاتی عوامل (جیسے اصول اور فلسفہ کے جدیدی اجتہاد پر اثرات جیسی مباحث) سے ہٹ کر، شیعہ سیاسی نظریات میں تبدیلی پر اثر انداز ہونے والے چند معروضی حقائق کا جائزہ لیں گے۔

الف: فقہا کے سماجی مقام کا اثر

سیاسی شیعہ نظریات میں تبدیلی کی ایک اہم وجہ سماجی سطح پر عوام کے درمیان علما و فقہا کو حاصل ہونے والا اقتدار اعلی تھا۔ شیعہ علما کو قاجار عہد حکومت میں صفوی دور سے کہیں زیادہ اور مؤثر مقام حاصل ہوا۔ صفوی حکومت کے دور میں علما کی فقہی اور مذہبی قدرت بادشاہوں کی سیاسی قدرت کے زیرِ سایہ ٹھہرتی لیکن قاجار دور میں علما کا اپنا سماجی اثر اور مقام کہیں زیادہ بڑھا اور ان کے رسوخ اور جاذبیت کی حدود بھی وسیع ہوئیں۔

ب: علما اور معاشرے کے باہمی تعلقات

دوسرا پہلو معاشرے اور علما کا باہمی رابطے سے متعلق ہے، آہستہ آہستہ لوگوں نے اپنے سیاسی، سماجی اور دفاعی مسائل کے لیے علما کی طرف اس طرح رجوع کرنا شروع کر دیا جیسے ان مسائل کا جواب دینا علما کی شرعی ذمہ داری ہے۔ ان حالات کا اس زمانے کے علما کی کتابوں، خطوط، مسائل کی کتب اور ٹیلیگراف وغیرہ سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ ([21])

ج: استبداد اور استعمار کے متقابل اثر سے آگاهی

ایران کے سیاسی اور سماجی میدان میں علما کے آنے سے یہ بات پہلے سے زیادہ عیاں ہو گئی کہ اندرونی استبداد، سماجی خلفشار کا باعث بنتا ہے اور سامراجی طاقتوں کے اسلامی سرزمین پر داخلے کی راہ ہموار کرتا ہے۔ اسی طرح استبداد اور استعمار کی یہ باہمی معاونت ایک قوم کی دینی اور دنیاوی جڑوں کو کھوکھلا دیتی ہیں۔

اس صورتحال کے مشاہدے نے فقہا اور علما کی سیاسی سوچ کو زیادہ سے زیادہ فروغ دیا اور ان کے اس موضوع میں اجتہاد پر گہرا اثر ڈالا۔ ایران کے اسلامی انقلاب کا ظہور اسی سیاسی نظریے کے عملی اور نظریاتی میدان میں ارتقاء کی ایک خوبصورت مثال ہے۔

اس دور کے فقہا اور دانش مند

اس دورے میں بہت سی علمی اور فقہی شخصیات جیسے مرزا حسن شیرازی، سید جمال الدین، مرزا حسین نائینی، شیخ فضل اللہ نوری، سید حسن مدرّس، آیت اللہ محمد تقی خوانساری، سید محسن حکیم، سید ابوالقاسم خوئی، سید محمد باقر الصدر اور آیت اللہ امام خمینیؒ نے شیعہ فقہ کی ترقی کو تکامل بخشا۔ اس مختصر مضمون میں ان معاصر شخصیات کے بارے میں کہنے کی گنجائش نہیں بلکہ ایک علیحدہ سلسلے میں ان میں سے ہر ایک کے سیاسی اور سماجی نظریات پر علیحدہ علیحدہ گفتگو کی ضرورت ہے۔ ذیل میں صرف چند اہم ترین تحریکوں اور ان کے راہنماؤں کے بارے میں مختصراًاشارہ کریں گے جن کا اثر ایران کے اسلامی انقلاب میں ولایتِ فقیہ کے نظام کے باقاعدہ رائج ہونے کی صورت میں سامنے آیا۔

1۔ تنباکو تحریک

1308 ہجری قمری میں مرزا حسن شیرازی کی سرپرستی میں ان کے فتوے کے تحت کامیاب ہوئی۔

2۔ ایران کا آئینی انقلاب (مشروطہ)

اس کے راہنما حسین نائینی (1276 سے 1355 ہجری قمری) جو مرزا شیرازی کے شاگرد اور ان کے مکتب کے پیرو تھے۔ تنباکو تحریک میں ان کے مشیروں میں سے تھے۔ ایران کے آئینی انقلاب میں فعال مجاہدانہ کردار ادا کرنے کے علاوہ اس زمانے کی دوسرے سیاسی واقعات جیسے انگریز استعمار

اور روسی ناجائز قبضے کے خلاف جہاد، عراقی اسلامی تحریک میں کردار جس کی وجہ سے جلاوطن ہوئے وغیرہ ان کی مجاہدانہ سماجی اور سیاسی شخصیت کے گواہ ہیں۔ ان کی مشہور کتاب "تنبيه الامرو تنزيه الملة" جس کی تائید آئینی انقلاب کے دوسرے راہنماؤں آخوند ملا محمد کاظم خراسانی اور ملا عبداللہ مازندرانی وغیرہ نے بھی کی ہے۔ اس کتاب نے اس تحریک میں جان ڈالنے میں اہم رول ادا کیا۔ ([22])

3۔ ایران کا اسلامی انقلاب

رہبرِ کبیر حضرت امام خمینیؒ نے 15 خرداد 1383 ہجری قمری میں اسلامی تحریک شروع کی جو امامؒ کی حکومت کے برسرِاقتدار آنے تک (1399ہجری قمری مطابق 1979ء) جاری رہی جس کے نتیجے میں انقلاب بڑی کامیابی سے ہمکنار ہوا۔ 1382 ہجری قمری میں امامؒ نے "کشف الاسرار" نامی کتاب میں ولایت، فقیہ کے نظریئے کو بڑے مدلل انداز میں پیش کیا اور اسلامی حکومت کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی اور اپنی 14 سالہ جلاوطنی میں اس نظریئے کو تفصیل سے پڑھایا اور اس پر علما کے درمیان بحث و مباحثہ کیا اور پھر اپنی جلاوطنی کے اختتام پر اس نظریے کا عملی نفاذ کیا۔

اپنا مضمون ان سطور پر ختم کرتے ہیں لیکن بعد کے مضامین میں انشاء اللہ ان معاصر علما کی جدوجہد کے بارے میں تفصیلات پیش کی جائیں گی۔

حوالہ جات

1۔ امامؑ کی اپنے ہاتھ سے لکھی تحریر

2۔ ولایتِ فقیہ؛ آیت اللہ مصباح، ص8۔

3۔ تاریخ عقائدِ سیاسی، لیدمان، ص28۔

4۔ لیدمان، تاریخ عقائدِ سیاسی، ص46۔

5۔ لیدمان، تاریخ عقائدِ سیاسی، ص90۔

6۔ شریعت کے واضح اصول اور روشن حکم

7۔ برجی، مقالہ "رفتار سیاسی فقہای دورہ میانہ" فصل نامہ علومِ سیاسی، شمارہ 14، ص55۔

8۔ برجی، مقالہ "رفتار سیاسی فقہای دورہ میانہ" فصل نامہ علومِ سیاسی، شمارہ 14، ص59۔

9۔ برجی، مقالہ "رفتار سیاسی فقہای دورہ میانہ" فصل نامہ علومِ سیاسی، شمارہ 14، ص60۔

10۔ شیخ ابو جعفر طوسی، عدہ الاصول، ج2، ص42۔

11۔ روح اللہ شریعتی، مقالہ حکومت در اندیہ سیاسی محقق حلی، فصل نامہ علوم سیاسی، ش14، ص70۔

12۔ علامہ حلی، تذکرہ، ج1، ص450۔

13۔ عاملی، الدروس الشرعیہ، ج2، ص47۔

14۔ محمد امین، اعیان الشیعہ، ج8، ص209۔

15۔ روملد، احسن التواریک، ج1، ص86۔

16۔ موسویان، اندیشه سیاسی شهید ثانی

17۔ احمد کرمانشاہی، مرات الاحوال جهان نما، ص 147۔

18۔ محمد رضا سماک امانی، کاشف الغطاء، ص 18۔

19۔ شیخ انصاری، مکاسب محرمہ، ص 320۔

20۔ شیخ انصاری، کتاب قضا، ص 47 تا 49۔

21۔ فراست خواه، سرآغاز نواندش معاصر، ص 342۔

22۔ تحقیقی ورعی، حسین نائینی، ص 11۔